بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

۴۵۰ھ - ۵۰۵ھ

تحریر: عبدالرشید عراقی

معروف اسلامی سکالر قلمکار بھائی جناب عبدالرشید عراقی حفظہ اللہ تعالیٰ نے امام غزالی رحمۃ اللہ پر نہایت شاندار اور جامع مضمون تحریر فرمایا ہے۔ ادارہ ترجمان الحدیث ان کی اس کاوش اور مجلہ سے تعاون پر شکر گزار ہے۔ اور مزید ایسی علمی شرکت کے لئے متمنی ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ کی شخصیت ہر خاص و عام کے نزدیک معروف و مشہور ہے۔ جیسا کہ مضمون سے بھی واضح ہوتا ہے کہ امام صاحب کئی مراحل میں سے گزرے ہیں۔ خالص علمی میدان میں بھی رہے۔ تو پھر تصوف۔ علم کلام کو بھی اختیار کیا۔ اسے بھی پھر ترک کر دیا۔ اس سے ان کی حق تلاشی کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ کی بعض تالیفات میں ایسے افکار و خیالات پائے جاتے ہیں۔ جو صریحاً اسلامی تعلیمات سے دور ہیں۔ اور غالباً یہ ان کے متعدد مراحل میں سے گزرنے کے اثرات ہیں۔ جن پر علمائے کرام نے کافی کلام کی ہے۔ اور ان کی تردید میں کتابیں بھی تالیف کیں ہیں۔ اکثر علمائے کرام ان کے ان افکار سے امام صاحب کو بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ امام غزالی رحمۃ اللہ نے انتقال سے قبل ان افکار سے رجوع کر لیا

تھا۔

ہم بھی ان کے متعلق یہی حسن ظن رکھتے ہیں۔ مگر قارئین سے ضرور التماس ہے کہ امام صاحب کی کتابوں میں جہاں کہیں قرآن و حدیث کے خلاف یا اسلامی عقائد سے ہٹ کر کوئی چیز پائیں۔ تو اسے "خذ ما صفی ودع ما کدر" کے اصول پر بلا جھجک رد کر دیں۔ اور اس سے امام صاحب کو بری سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ امام صاحب رحمۃ اللہ کی حسنات و درجات کو بلند فرمائے اور لغزشوں سے در گزر فرمائے آمین ثم آمین (ادارہ)

حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد بن محمد بن احمد خراسان کے ضلع طوس کے قصبہ طاہران میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ میں شروع کی اور شیخ احمد الراذ کانی جو فقہ شافعی کے ممتاز عالم تھے۔ ان سے فقہ شافعی میں تحصیل کی۔ اس کے بعد جرجان جا کر امام ابو نصر السمیلی سے بھی استفادہ کیا۔ امام ابو نصر السمیلی سے استفادہ کے بعد امام غزالی نیشاپور تشریف لے گئے اور امام الحرمین (جن کا اصلی نام عبدالملک اور لقب ضیاء الدین ہے) سے اکتساب فیض کیا۔ امام الحرمین نے ۴۷۸ھ میں انتقال کیا۔ ان کے انتقال تک امام غزالی ان کی صحبت سے الگ نہیں ہوئے۔ امام غزالی نے امام الحرمین کی خدمت میں رہ کر جملہ علوم اسلامیہ میں تعلیم حاصل کی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں تمام علوم پر حاوی ہوگئے۔

امام الحرمین کو امام غزالی پر بہت ناز تھا۔ اور امام الحرمین کی زندگی ہی میں امام غزالی نے شہرت حاصل کر لی تھی۔ مورخ ابن خلکان نے اپنی تاریخ "وفیات الاعیان" میں لکھا ہے کہ امام غزالی نے اپنے استاد امام الحرمین کی زندگی میں ہی

شہرت حاصل کر لی تھی اور صاحب تصنیف ہو گئے تھے۔ اور امام الحرمین امام غزالی کے علمی مرتبہ کے بہت قائل تھے۔

امام غزالی نظام الملک کے دربار میں

امام غزالی جب امام الحرمین سے جملہ علوم اسلامیہ میں استفادہ کے بعد نیشاپور سے نکلے تو اس وقت ان کی عمر ۲۸ سال تھی۔

نظام الملک جس کا اصلی نام حسن بن علی تھا۔ طوس کے ایک گاؤں رازکان کا رہنے والا تھا۔ جملہ علوم اسلامیہ میں کافی دسترس رکھتا تھا۔ بسلسلہ معاش و روزگار حاکم بلخ کا میر منشی مقرر ہوا۔ یہاں تک کہ ترقی کے منازل طے کرتا ہوا الپ ارسلان کا وزیر ہو گیا۔ الپ ارسلان نے ۴۶۵ھ میں انتقال کیا۔ اور اس کے انتقال کے بعد الپ ارسلان کے بیٹوں نے سلطنت کے حصول کے لئے معرکہ ارائیوں کے سامان تیار کئے۔ مگر نظام الملک کی حسن تدبیر سے ملک شاہ کو تاج و تخت نصیب ہوا۔ ملک شاہ نے تخت نشین ہوتے ہی تمام کاروبار نظام الملک کے ہاتھ میں دے دیئے۔ ملک شاہ نے ۴۸۵ھ میں وفات پائی۔ تو نظام الملک خود بادشاہ بن گیا۔

نظام الملک نے اپنے دور حکومت میں سلطنت کو وہ رونق اور وسعت بخشی کہ خلفاء کے بعد کبھی اتنی وسعت نہ ہوئی تھی۔ اور دوسری تعلیم و تدریس کو یہ ترقی دی کہ تمام ملک میں مکاتب اور مدارس قائم کئے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ نظام الملک کی حکومت میں کوئی شہر ایسا نہ تھا کہ جہاں کوئی مدرسہ یا مکتب نہ ہو۔ نظام الملک کے عہد میں مدارس کا سالانہ خرچ ۶ لاکھ اشرفیاں تھیں۔ بقیہ صہ ۳۸ پر

نظام الملک خود صاحب و علم و فضل تھا۔ اور اہل فضل و کمال کا بڑا قدردان تھا۔ جب اہل علم اس کے دربار میں آتے تو ان کے لئے مسند خالی کر دیتا۔ علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) لکھتے ہیں کہ

نظام الملک امام الحرمین اور ابو اسحاق شیرازی کا نہایت ادب کرتا تھا اور جب وہ دربار میں آتے تھے تو سروقد کھڑا ہو جاتا تھا۔ اس قدر دانی اور پایہ شناسی نے اس کے دربار کو اہل کمال کا مرکز بنا دیا تھا۔ سینکڑوں علماء و فضلاء اس کے دربار میں حاضر رہتے تھے۔ اور وہ ان کے علمی مناظرات میں شریک ہو کر خود بھی دخل دیتا تھا اور مستفد ہوتا تھا۔ (الغزالی ص ۸)

درس و تدریس سے فارغ ہو کر امام غزالی نظام الملک کے دربار میں پہنچے۔ تو نظام الملک نے ان کا والہانہ استقبال کیا اور امام غزال کے دربار کے اہل کمال سے مناظرات و مباحثات شروع ہو گئے۔ اور امام صاحب سب پر غالب آتے چنانچہ نظام الملک نے آپ کے علمی ہنر کے پیش نظر مدرسہ نظامیہ کے صدارت کے لئے انتخاب کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۴ سال تھی۔ اور اس وقت مدرسۃ نظامیہ کی صدارت ایک بہت بڑا علمی اعزاز تھا۔

مدرسہ نظامیہ

مدرسہ نظامیہ نظام الملک نے اپنے نام پر بغداد میں قائم کیا تھا اس کی تعمیر پر اس وقت دو لاکھ دینار خرچ آئے تھے۔ اور سالانہ خرچ ۱۵ ہزار دینار تھا۔ مدرسہ نظامیہ کی صدارت اس زمانے میں بہت بڑا علمی اعزاز ہوتا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی کہتے

ہیں کہ

مدرسہ نظامیہ کی صدر مدرسی کا منصب عظیم الشان رتبہ تھا کہ بڑے بڑے اہل کمال نے اس کی آرزو میں عمریں صرف کر دیں اور یہ حسرت دل ہی دل میں لے گئے۔ (الغزالی ص ۱۰)

۴۸۴ھ میں امام غزالی بڑی شان و شوکت سے بغداد میں داخل ہوئے۔ تو ان کا والہانہ استقبال ہوا۔ اور مدرسہ نظامیہ کی صدارت کا عہدہ سنبھالا اور اس کو زینت بخشی۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رقمطراز ہیں:۔

۴۸۴ھ میں وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ بغداد میں داخل ہوئے اور نظامیہ میں درس شروع کیا۔ تھوڑے ہی دن میں ان کے درس حسن تقریر اور تبحر علمی کی بغداد میں دھوم مچ گئی۔ طلباء و علماء نے استفادہ کے لئے ہر طرف سے ہجوم کیا۔ ان کی مجلس مرجع خلائق بن گئی تھی۔ تین تین سو محنتی طالب علم اور سو سو امراء و رؤسا اس میں شرکت کرتے تھے۔ (تاریخ دعوت وج ۱، ص ۱۳)

دربار خلافت میں امام غزالی کا اثر و رسوخ

مدرسہ نظامیہ کی صدارت ملنے کے بعد امام غزالی کا اثر و رسوخ دربار خلافت میں ہو گیا۔ اور یہ سب امام صاحب کے علم و فضل کی وجہ سے تھا۔ اعیان حکومت آپ کے علمی تبحر کی وجہ سے بہت احترام کرتے تھے۔ ۴۸۵ھ میں جب ملک شاہ سلجوقی نے وفات پائی۔ اور اس کے بعد ملک شاہ سلجوقی کی بیگم خاتون (جو اس

وقت سلطنت کی مالک تھی) عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے پاس امام غزالی کو سفیر بنا کر بھیجا۔ خلیفہ مقتدر باللہ نے ۴۸۷ھ میں انتقال کیا۔ تو اس کے بعد مستظہیر باللہ خلیفہ ہوا۔ مستظہیر باللہ بہت علم دوست تھا۔ اور علماء کی قدر کرتا تھا۔ اس کے امام غزالی کے ساتھ خاص روابط تھے۔ مستظہر باللہ کے عہد حکومت میں فرقہ باطنیہ نے بہت زور پکڑا۔ اس نے امام غزالی سے درخواست کی کہ اس فرقہ کے رد میں کتاب لکھیں۔ چنانچہ امام صاحب نے خلیفہ کے حکم پر ایک کتاب لکھی اور اس کتاب کا نام خلیفہ کے نام پر مستظہری رکھا۔ امام صاحب نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنی کتاب "المنقذ من الضلال" میں کیا ہے۔

امام غزالی کی گیارہ سال کی راہ نوردی

امام غزالی اپنے علمی تبحر کی وجہ سے عالم اسلام میں مشہور معروف ہوگئے تھے اور اب ان کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ مگر ان کی بے چین اور بلند حوصلہ ہمت اس بلندی پر راضی نہ تھی۔ چنانچہ امام صاحب نے تعلیم و تدریس کا سلسلہ چھوڑا۔ اور یقینی علم اور دولت باطن کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ پہلے آپ بغداد پہنچے۔ تو ایک ایک فرقہ اور اہل مذہب سے ملے۔ اور ان کے حالات سنے۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ

میں ایک ایک باطنی، ظاہری، فلسفی، متکلم، زندیق سے ملتا تھا۔ اور ان کے حالات دریافت کرتا تھا۔ (المنقذ من الضلال ص ۳)

ان مختلف فرقوں کے ساتھ ملنے جلنے سے امام صاحب پر جو اثر ہوا۔ اور جس

نے ان کی زندگی کا قالب بدل دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ

چونکہ میری طبیعت ابتداء ہی سے تحقیقات کی طرف مائل تھی۔ اس سے رفتہ رفتہ یہ اثر ہوا کہ تقلید کی بندش ٹوٹ گئی اور جو عقائد بچپن سے سنتے سنتے ذہن میں جم گئے تھے ان کی وقعت جاتی رہی۔ (المنقد من الضلال ص ۲۲)

اس کے بعد امام صاحب نے مختلف مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ جیسا کہ لکھتے ہیں۔

اس وقت جس قدر فرقے موجود تھے۔ چار تھے۔ متکلمین، باطنیہ، فلاسفہ، صوفیہ، میں نے ہر فرقہ کے علوم و عقائد کی تحقیقات شروع کی۔ علم کلام کے متعلق جس قدر قدماء کی تصنیفات تھیں۔ سب پڑھیں۔ لیکن وہ میری تسلی کے لئے کافی نہ تھی۔ کیونکہ ان میں جن مقدمات سے استدلال ہوتا ہے۔ ان کی بنا یا تقلید ہے یا اجماع یا قرآن و حدیث کے نصوص اور یہ چیزیں اس شخص کے مقابلہ میں بطور ثبوت نہیں پیش کی جا سکتیں۔ جو بدیہیات کے سوا اور کسی چیز کا قائل نہ ہو۔ فلسفہ کا تعلق مذہب سے نہیں۔ فرقہ باطنیہ کے عقائد کا تعلق تمام امام وقت کی تقلید پر ہے۔ تصوف عملی فن ہے۔ اس لئے اس علم سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ (المنقد من الضلال ص ۲۲)

۴۸۸ھ میں امام غزالی بغداد سے نکلے۔ قیمتی لباس ترک کر دیا تھا۔ اور اس کی جگہ بدن پر صرف کمبل تھا۔ غذا بھی سادہ کھاتے تھے۔ بغداد میں سے دمشق پہنچے۔ اور مجاہدہ ریاضت میں مشغول رہے۔ اور دمشق میں آپ کا قیام تقریباً دو سال رہا اس کے بعد آپ دمشق سے بیت المقدس تشریف لے گئے اور بیت المقدس میں بھی

آپ کا جتنا عرصہ قیام رہا مجاہدہ و ریاضت میں مصروف رہے۔ بیت المقدس سے حج کی نیت سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ مکہ معظمہ میں آپ کا قیام مدت تک رہا۔ اس کے بعد مصر اور اسکندریہ بھی گئے۔ اسکندریہ میں آپ کا قیام مدت تک رہا۔ اس کے بعد آپ مراکش جانا چاہتے تھے۔ اور یوسف بن تاشفین سے ملنا چاہتے تھے۔ لیکن اسی اثناء میں یوسف کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ مراکش نہ جاسکے۔

بیت المقدس کے قیام میں امام غزالی نے مقام خلیل پر حاضر ہو کر تین باتوں کا عہد کیا کہ

۱۔ کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤں گا۔
۲۔ کسی بادشاہ کا عطیہ قبول نہ کروں گا۔
۳۔ کسی سے مناظرہ یا مباحثہ نہ کروں گا۔

چنانچہ مرتے دم تک امام صاحب ان باتوں کے پابند رہے۔

خلوت سے جلوت کی طرف

اللہ تعالیٰ نے امام غزالی سے جو عظیم الشان کام لیا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ خلوت سے نکل کر جلوت کی طرف آئیں۔ اور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف اور اجتماعی زندگی اختیار کریں۔ چنانچہ امام صاحب لکھتے ہیں۔

"میں نے چند اہل قلب اور اہل مشاہدات سے بھی اس بارے میں مشورہ کیا انہوں نے بھی بالاتفاق مجھے ترک عزلت کا مشورہ دیا۔ اس کی تائید میں بہت سے علماء نے متواتر خواب بھی دیکھے۔ جن سے پتا چلتا تھا کہ میرا یہ اقدام بڑی خیر و

برکت کا باعث ہو گا۔ اور پانچویں صدی کے شروع میں جس میں ایک ہی مہینہ باقی تھا۔ کوئی شاید عظیم الشان تجدیدی کام ہو گا۔ اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر ایسے آدمی کو پیدا کرتا ہے۔ جو اس وقت کے دین کو تازہ کر دیتا ہے۔ ان سب آثار و قرائن سے مجھے بھی اس کی امید پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے نیشاپور کا سفر کر دیا۔ اور میں نے اس کا ارادہ کر لیا۔ یہ ۴۹۹ھ ذی قعدہ کا قصہ ہے۔ بغداد سے ذی قعدہ ۴۸۸ھ میں نکلا تھا۔ اس طرح سے گوشہ نشینی کی مدت ایک سال ہوتی ہے۔ یہ سب تقدیر الٰہی کی کارفرمائی ہے۔ جس طرح بغداد سے نکلنا اوروں کے جاہ و اعزاز کو خیر آباد کہنا۔ تصور میں نہیں آتا تھا۔ لیکن اللہ کے حکم سے وہ سب کچھ آسان ہو گیا۔ اسی طرح سے اس عزلت کے زمانہ میں خلوت سے جلوت کی طرف دوبارہ آنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن وقت پر اس کا بھی سامان ہو گیا۔" (المنقذ من الضلال ص ۲۸ تا ۳۰)

دوبارہ درس و تدریس

امام صاحب ۴۹۹ھ میں نیشاپور پہنچے۔ اور مدرسہ نظامیہ میں مسند درس کو زینت بخشی۔ اور دوبارہ تدریس و افادہ کا کام شروع کیا۔ لیکن اب امام غزالی درس و تدریس اور اصلاح و ارشاد میں پہلے کے تدریسی مشاغل سے فرق تھا۔

امام غزالی کے تجدیدی کارنامے

امام غزالی نے جو تجدیدی کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ وہ دو قسم کے ہیں۔

۱۔ فلسفہ اور باطنیت کے سیلاب کی روک تھام۔
۲۔ زندگی و معاشرت کا اسلامی جائزہ اور ان کی تنقید و اصلاح۔

فلسفہ اور باطنیت کے سیلاب کی روک تھام

امام غزالی جس زمانہ میں پیدا ہوئے۔ تقلید کا عام تسلط ہو چکا تھا۔ اور بہت سے فرقے پیدا ہو چکے تھے۔ جن کے عقائد مختلف تھے۔ مثلاً معتزلہ، باطنیہ، اشاعرۃ، ماتریدہ اور فروعی اختلافات کے لحاظ سے درج ذیل فرقے بھی موجود تھے۔ یعنی۔ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ اور ظاہریہ۔
اور ہر گروہ میں تقلید کا نشہ سرایت کر گیا تھا۔

امام غزالی نے جب یہ دیکھا کہ فلسفہ اسلام پر حملہ آور ہو رہا ہے اور علم کلام سب علوم سے سپر بننے کی کوشش کر رہا ہے اور علمائے اسلام اس طرف توجہ نہیں کر رہے۔ تو امام صاحب نے فلسفہ و کلام کا تفصیلی اور تنقیدی مطالعہ کیا۔ اور اس کے بعد آپ نے مقاصد الفلاسفہ کے نام سے کتاب لکھی۔ جس میں آپ نے پوری غیر جانب داری کے ساتھ فلاسفہ کے نظریات و مباحث کو مدون کیا۔ اس کے بعد علم و کلام کی خاطر تہافت الفلاسفہ کے نام سے کتاب لکھی۔ جس میں آپ نے فلسفہ کے الہیات و طبعیات پر اسلامی نقطہ نظر سے تنقید کی اور ان کی علمی کمزوریوں کو پوری جرأت اور قوت کے ساتھ ظاہر کیا۔ تہافت الفلاسفہ کی تصنیف سے اس وقت علمی حلقوں میں جو اثر ہوا۔ اس کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

فلسفہ پر یہ دلیرانہ تنقید اور کسی حد تک تحقیر علم کلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ جس کا سہرا امام غزالی کے سر ہے۔ بعد میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس کی تکمیل کی۔ اور فلسفہ اور منطق کی لاش کی تشریح (پوسٹ مارٹم) کا فرض انجام دیا۔ فلسفہ کی جراحی کے اس سلسلہ کا آغاز امام غزالی ہی کی تصنیفات سے ہوتا ہے۔

تہافتہ الفلاسفہ نے فلسفہ کے خیالی طلسم پر کاری ضرب لگائی اور اس کی عظمت ذہنی تقدس کو کافی نقصان پہنچایا۔ اس کتاب کی تصنیف نے فلسفہ کے حلقوں میں ایک اضطراب اور غم و غصہ پیدا کر دیا۔ مگر سو برس تک اس کے جواب میں کوئی شایان شان کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ چھٹی صدی ہجری کے آخر میں فلسفہ کے مشہور پرجوش وکیل اور ارسطو کے حلقہ بگوش ابن رشد (م۵۹۵ھ) نے تہافت التہافت کے نام سے اس کا جواب لکھا۔ علمائے مغرب کہتے ہیں کہ اگر ابن رشد فلسفہ کی حمایت کے لئے نہ کھڑا ہوتا۔ تو فلسفہ غزالی کے حملوں سے نیم جان ہو چکا تھا۔ ابن رشد کی حمایت نے اس کو سو برس تک کے لئے پھر زندگی عطا کر دی۔ (تاریخ دعوت ج۱، ص۱۴۵)

باطنیت پر حملہ

فلسفہ اور علم کلام کے علاوہ امام غزالی نے فرقہ باطنیت کے خلاف بھی توجہ کی اور اس سلسلہ میں آپ نے اپنے زمانہ تدریس مدرسہ نظامیہ میں فرقہ باطنیہ کے خلاف خلیفہ مستظہر باللہ کے حکم سے المستظہری تصنیف کی۔ مولانا ابوالحسن علی

ندوی رقمطراز ہیں۔

باطنیت کے رد کے لئے در حقیقت اہل سنت کے حلقہ مین ان سے زیادہ موزوں آدمی ملنا مشکل تھا۔ وہ فلسفہ اور تصوف اور ظاہری علوم اور حقائق و معارف دونوں کوچوں سے واقف تھے۔ اور باطنیہ کی اسرار فروشی اور ان کی عقلی سازش کا آسانی سے پردہ فاش کر سکتے تھے۔ باطنیہ کا بڑا دعبہ فلسفہ اور اس کی اصطلاحات تھیں۔ اس کے امام غزالی جیسا جامع شخص اور عقلیات کا مبصر ان کی تردید کا کام کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس کام کو انہوں نے بخوبی انجام دیا اور ان کو علمی طور پر بے وقعت اور بے اثر بنا دیا۔ (تاریخ دعوت ج ۱، ص ۱۴۰)

زندگی اور معاشرت کا اسلامی جائزہ

امام غزالی کا دوسرا تجدیدی و اصلاحی کارنامہ زندگی اور معاشرت کا اسلامی جائزہ ہے۔ اور اس کے لئے آپ نے اپنی زندہ جاوید کتاب "احیاء علوم الدین" لکھی۔

تصنیفات

امام غزالی کا شمار ان علمائے کرام میں ہوتا ہے جنہوں نے کثرت سے کتابیں لکھیں۔ امام صاحب نے ۵۴ سال کی عمر پائی۔ ۲۰ برس کی عمر میں تصنیف و تالیف کا آغاز کیا۔ ۱۱ سال صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی میں گزری۔ درس و تدریس کا شغل ہمیشہ قائم رہا۔ اس لحاظ سے امام صاحب کا کثرت سے

کتابیں لکھنا ایک حیرت انگیز عجوبہ ہے۔

علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۰ء) نے آپ کی تصانیف کی تعداد ۷۷ لکھی ہے۔ جس میں یاقوت التاویل فی التفسیر بھی شامل ہے۔ جو ۴۰ جلدوں میں ہے۔ امام صاحب نے جن موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی نے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ علامہ شبلی کہتے ہیں کہ امام صاحب نے فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، کلام اور تصوف واخلاق پر کتابیں لکھیں۔ (الغزالی ص ۳۱ تا ۳۳)

(مولانا شبلی نعمانی الغزالی ص ۳۳ پر یاقوت التاویل فی التفسیر ۴۰ جلد کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ص ۳۷ پر لکھتے ہیں کہ فن تفسیر کو انھوں نے غالباً ہاتھ نہیں لگایا۔ یاقوۃ التاویل فی التفسیر جو ان کی تصنیفات میں شمار کی جاتی ہے اور جس کی ضخامت ۴۰ جلدوں کی بیان کی جاتی ہے ہماری تحقیقات کی رو سے ایک فرضی نام ہے۔)

وفات

علم ومعرفت کے عظیم سمندر ۵۵ سال کی عمر میں ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ میں بمقام طاہران انتقال کر گئے۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ واسکنہ فسیح جناتہ
وصلی اللہ علی سیدنا و نبینا محمد و علی آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔